عصر حاضر میں متنوع مخاطبین کے لیے دعوتی حکمت عملی

DAWAH STRATEGIES FOR DIVERSE AUDIENCE IN PRESENT AGE

ابظاہر خان*، محمد ایوب**

Abstract:
Dawah i.e. preaching of Islam is one of the collective obligations upon Muslims. To convey the message of Allah to humanity Muslims have always been engaged in Dawah activities with different strategies which mainly depended on the situation of the audience. Quran and Hadith draw guidelines for Dawah workers, one of them is to take care audience's physical and mental situation. Without a caring audience, Dawah's process could not achieve its objectives. The prospect has been changed about Dawah and this paper deals with Dawah strategies by focusing on multiple audiences of Dawah. This paper will provide guidelines for dawah workers of modern times with special reference to audiences with multiple prospects.

Keywords: Dawah Strategies, Dawah Audiences, Dawah in Modern Times, Dawah Prospects, Dawah Activities

اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی دنیااور آخرت میں کامیابی کے لئے ہر زمانے اور خطے میں انبیاء کرام علیہم السلام مبعوث فرمائے تھے۔[1] یہ داعی اور ہادی اپنی قوم اور علاقوں تک محدود تھے آخر کار یہ سلسلہ حضرت محمد ﷺ پر آکر ختم ہو گیا۔اور اب آپ ﷺ کی دعوت وارشاد قیامت تک پوری انسانیت کے لیے ہے۔ارشاد ہے:

يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّي رَسُولُ اللهِ اِلَيْكُمْ جَمِيعًا۔[2]

(اے لوگوں! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول بن کر آیا ہوں۔)

آپ ﷺ جس طرح تمام انسانیت کے رسول ہیں اسی طرح جملہ اقوام و ملل کے لئے آپ ﷺ داعی بھی ہیں بلکہ آپ ﷺ سید الداعین ہیں۔اسلام نے جس طرح ہر شعبہ زندگی کے متعلق اصولی احکام بیان فرمائے ہیں اسی طرح دعوت اور اصلاح کے بھی اصولی احکام اور ہدایات بیان فرمائے ہیں۔

*ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، جامعہ عبدالولی خان، مردان

**پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ علوم اسلامیہ، جامعہ عبدالولی خان، مردان

قرآنی اسلوب کے مطابق نظام دعوت کے چار ارکان ہیں: دعوت، داعی، مدعو اور مدعو الیہ۔ نظام دعوت کے ان چار ارکان کے چار مصداق ہیں: دعوت کا مصداق فعلِ تبلیغ، داعی کا مصداق اولاً اور بالذات رسول اللہ ﷺ اور ثانیاً وارثان نبوت، مدعو کا مصداق پورا عالم انسانیت روز قیامت تک اور مدعو الیہ کا مصداق سبیل رب یعنی جملہ شریعت مطہرہ۔ دعوت کے تین طُرق ہیں ؛حکمت، موعظۂ حسنہ اور مجادلہ احسن۔ طُرقِ دعوت میں قدرتی طور پر مخاطبین اور مدعو کے تنوع کی طرف اشارہ ہے کیونکہ جب طُرق دعوت متعدد ہیں تو ضرور مخاطبین بھی متنوع اور متعدد ہوں گے۔ اور وہ متنوع مخاطبین اذکیاء، اغبیاء اور صلحاء وغیرہ ہوں گے۔

موجودہ جدید دور فکری، عملی اور اجتماعی اعتبار سے پہلے ادوار سے مختلف ہے۔ عمل دعوت کے موقع پر جدید دور کے متنوع اذہان کی نفسیات کو ملحوظ رکھنا نہ صرف ضروری بلکہ ثمر آور بھی ہے۔

مدعو عربی زبان کا لفظ ہے جو اسم مفعول ہے۔دعا یدعو ثلاثی مجرد باب نصر ینصر سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کا معنی ہے وہ شخص جسے بلایا گیا ہو اور اصطلاح میں ڈاکٹر عبدالکریم زیدان کے مطابق "والشخص الذي يدعى الى الإسلام هو المدعو"[(3)] یعنی جو شخص اسلام کی طرف بلایا جائے اسے مدعو کہا جاتا ہے۔ اردو زبان میں اس کو مخاطب کہا جاتا ہے۔ مخاطب انسان کے علاوہ بھی ہو سکتا ہے۔ تاہم عموماً انسان ہی دعوت کا مخاطب ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وما أرسلناك إلا كافة للناس بشيراً ونذيراً"[(4)]

[اور نہیں بھیجا ہم نے تم (اے نبی ﷺ) کو مگر تمام انسانوں کے لئے بشیر اور نذیر بنا کر۔]

رسول اللہ ﷺ کی رسالت کے عمومی مخاطبین وہ لوگ ہیں جو عاقل اور بالغ ہوں۔ یہ عموم عرب و عجم، سرخ و سفید، دانا و نادان، امیر و غریب، مرد و عورت اور کافر اور مسلم غرض ہر نوع انسان کو شامل ہے۔[(5)] اس میں کسی بھی جماعت ، گروہ اور طبقہ کی تخصیص نہیں بلکہ مخاطب تمام انسانیت ہیں اس وجہ سے قرآن کریم میں دعوت اور اس سے متعلقہ آیتوں میں خطاب بنی نوع انسان کو کیا جاتا ہے۔ ارشاد ہے: "يا أيها الناس اعبدوا ربكم"[(6)] یعنی "اے انسانو! اپنے رب کی عبادت کرو"، اور عملاً رسول اللہ ﷺ پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ جیسے عرب، حضرت بلال رضی اللہ عنہ جیسے حبشی اور غلام، حضرت صہیب رضی اللہ عنہ جیسے رومی، حضرت سلمان رضی اللہ عنہ جیسے فارسی، حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسے بچے، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا جیسی عورت، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جیسے غنی، حضرت عمار رضی اللہ عنہ جیسے فقیر، نجاشی جیسے بادشاہ ایمان لائے۔

مخاطبین کے اسی عموم کو پیش نظر رکھ کر داعی کی ذمہ داری ہے کہ وہ دعوت کے عمومی مزاج کے مطابق ہر انسان تک اپنی دعوت کا دائرہ کار وسیع کرے تاکہ ہر انسان اس سے مستفید ہو سکے۔ اس سلسلے میں اپنے اہل و عیال اور نزدیکی رشتہ دار کو

دعوت دینا دوسرے مخاطبین پر مقدم ہونا چاہیے کیونکہ اس کو دعوت پہنچانا زیادہ آسان اور غالب احوال کے لحاظ سے نفع بخش ہوتا ہے نیز قریبی رشتہ دار کے مزاج سے سابقہ واقفیت کی بناء پر قبولِ انذار کی زیادہ توقع رکھی جاسکتی ہے۔ دوسرے یہ کہ انذار کا یہی اسلوب اور منہج فطری بھی ہے۔[7] اس وضاحت سے ذہن سے یہ اُلجھن تقریباً ختم ہوتی ہے کہ مخاطبین کے لحاظ سے اگر عموم ہے تو پھر انذار میں سب سے پہلے اہل وعیال اور رشتہ دار کیوں آتے ہیں؟ یعنی انذار کے لئے یہ درجات کیوں مقرر رہے؟

اسلام نے مخاطب کے کئی حقوق بیان فرمائے ہیں؛ جن میں چند درجہ ذیل ہیں:

(1) مخاطب کے ہاں جانا

مخاطب کو دعوت دینے کا فطری طریقہ یہ ہے کہ داعی اس کے پاس جائے اور اس کو انذار کرے۔ یہی طریقہ پیغمبر پاک ﷺ کا تھا کہ قریش کے مجالس میں تشریف لاکر ان کو اللہ تعالی کی طرف بلاتے تھے۔

عبدالملک بن ہشامؒ لکھتے ہیں:

"رسول اللہ ﷺ حج کے ایام میں جب عرب قبائل آتے تھے تو ان کے ہاں اہتمام کے ساتھ تشریف لے جاتے تھے اور انہیں ان االفاظ میں دعوت دیتے تھے "اے فلاں قبیلہ والوں! میں اللہ تعالی کا رسول ہوں میں تمھیں اللہ تعالی کی وحدانیت اور اس کی عبادت کی طرف بلاتا ہوں اور یہ کہ تم اللہ تعالی کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنانا اور اللہ تعالی کے سواء جس چیز کی تم عبادت کرتے ہوں اسے چھوڑ دو، مجھ پر ایمان لاؤ اور میری نبوت کی تصدیق کرو"۔۔۔اور رسول اللہ ﷺ کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ مکہ میں جب کوئی نامور اور عزت دار قبیلہ کے قدوم کے بارے میں سنتا تو آپ ﷺ تبلیغ کے واسطے اس کی طرف متوجہ ہوتے اور انہیں اللہ تعالی کی طرف بلاتے تھے۔ آپ ﷺ نے صرف اسی پر اکتفاء نہیں فرمایا بلکہ مکہ مکرمہ سے باہر طائف کو بھی اسی غرض سے تشریف لے گئے طائف میں آپ ﷺ نے قبیلہ بنو ثقیف کی ایک گروہ کے ساتھ بیٹھ کر انہیں دعوت دیا۔"[8]

لہٰذا داعی کو چاہئے کہ وہ دعوت دینے کے لئے مخاطب کے ہاں جائے یہ نہیں کہ مخاطبین داعی کے پاس آتے رہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے دعوت کا طریقہ کار یہی ہے۔ داعی مخاطبین کے رہن سہن کی جگہوں میں، ان کے مجلسوں میں، گلی کوچوں اور بازاروں اور دفتروں وغیرہ میں جاکر انہیں شفقت ومحبت کے ساتھ دعوت دے۔ مخاطبین کے پاس جانے کے کئی وجوہات ہیں مثلاً:

- رسول اللہ ﷺ کا مبارک طریقہ یہی ہے کہ مخاطبین کے پاس دعوت کے لیے جایا جائے۔
- آپ ﷺ امت پر کمالِ شفقت اور مہربانی کی وجہ انہیں ہدایت کے راستے پر لے آنے میں شدید خواہش رکھتے تھے اس لئے آپ ﷺ وہاں تشریف لے جاتے۔

- کفر اور بے دینی ایک مستقل روحانی مرض ہے اور کافر روحانی مریض لیکن مریض کو اپنی بیماری کا احساس نہیں ہوتا خصوصاً جب وہ مادی کے بجائے از قسم روحانی ہو تو معالج (داعی) کو چاہئے کہ مریض کو مرض پر متنبہ کرے۔

(2) مخاطبین کی اہانت نہ کرنا

مخاطب کا دوسرا حق یہ ہے کہ داعی اسے اپنے سے بہتر تصور کرے جب داعی یہ رویہ اختیار کرے تو اس سے کسی بھی مخاطب کی اہانت نہیں ہو گی بلکہ اس رویہ کی بدولت اس کا دعوت اثر انگیز ہو گا اور وہ مخاطب کے دل جیت کر اسے راہ راست پر لے آنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ رسول اللہ ﷺ عادت شریفہ کے مطابق ایام حج میں آنے والے لوگوں کو دعوت دیتے رہے ایک دفعہ منیٰ میں قبیلہ خزرج کے چھے آدمیوں سے آپ ﷺ ملے اور وہ لوگ سر کے بال کاٹ رہے تھے تو اسی حالت میں آپ ﷺ نے اللہ تعالی کی طرف بلایا اور انہیں قرآن کا کچھ حصہ پڑھ کر سنایا جس کی بدولت انھوں نہ صرف پیغام قبول کیا بلکہ مدینہ لوٹ کر رسول اللہ ﷺ کا پیغام دوسروں تک پہنچایا۔ اس بات کی شہرت اتنی پھیل گئی کہ مدینہ میں انصار کا کوئی گھر ایسا نہ رہا جس میں آپ ﷺ کا تذکرہ نہ ہو۔ [9]

اس واقعے سے پتا چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان چھ حضرات کو مخصوص حالت میں پا کر ان سے کنارہ کش نہیں ہوئے بلکہ انہیں بھی دعوت سے نوازا کہ شاید اللہ تعالیٰ انہیں ایمان قبول کرنے کی توفیق دیں اور انہیں خیر کثیر حاصل ہو اور اسی طرح ہوا جس طرح رسول اللہ ﷺ کا گمان تھا حالانکہ اس سے پہلے تقریباً تیرہ سال اہل مکہ کو دعوت دیتے رہے لیکن وہ برابر انکار کرتے رہیں۔

(3) مخاطبین کی علمی سطح اور مزاج و ذہنیت کا لحاظ رکھنا

مخاطب کی علمی سطح کا لحاظ ضرور رکھنا چاہئے کیونکہ جملہ مخاطبین ایک جیسے نہیں ہوتے بلکہ وہ علمی اور فکری حوالے سے کئی طبقات اور انواع کے حامل ہوتے ہیں۔ مخاطبین کی ذہنیتوں کے مطابق دعوت دینی چاہئے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

''نَحن معاشر الْأَنْبِيَاء أمرنَا أَن ننزل النَّاس مَنَازِلهمْ ونكلمهم عَلَى قدر عُقُولهمْ''[10]

(ہم انبیاء علیہم اسلام کے گروہ کو حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں کو ان کے مرتبہ پر رکھیں گے اور ان کی عقلوں کے مطابق گفتگو کریں۔)

اگر مخاطب اعلیٰ تعلیم یافتہ ہو اور دینی مقاصد کو اپنے ذوق کے مطابق دلائل سے فلسفیانہ رنگ میں سمجھنا چاہتے ہو تو اس کے سامنے واعظانہ خطابات (جو ایک خالی الذہن اور تشنہ ہدایت طالب کے سامنے اختیار کیا جاتا ہے) سے سمجھانے میں دعوت مؤثر نہیں ہو گی۔ اس کے علاوہ مخاطب کے مزاج اور ذہنیت، اس کے احوال اور طبائع کی رعایت از حد ضروری ہے اگر مخاطبوں کی مزاجوں اور ذہنیتوں کی رعایت ملحوظ خاطر نہ رکھا جائے تو دعوت کی کوئی تاثیر قائم نہیں رہتی۔ لہذا مخاطب میں آمادگی اور قبول حق کی صلاحیت پر نظر ہونا چاہئے اس سلسلے میں جناب رسول اللہ ﷺ کی سنت مبارکہ ہمارے لئے مشعل راہ ہے۔ ایک مرتبہ

آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ :"يا عائشة لو لا أن قومك حديث عهد بجاهلية لأمرت بالبيت، فهدم فأدخلت فيه ما أخرج منه وألزقته بالأرض وجعلت له بابين، بابا شرقيا، وبابا غربيا فبلغت به أساس إبراهيم"(11)میری خواہش ہے کہ کعبہ کی موجودہ عمارت ڈھا کر اس کی از سر نو تعمیر ہو جس میں حطیم بھی داخل عمارت ہو جائے اور کعبہ کی موجودہ عمارت کو زمین سے متصل کر کے اس کے دو دروازے شرقی اور غربی بنادوں تا کہ یہ بناء ابراہیم پر واپس بحال ہو جائے لیکن محض اس مصلحت سے کہ قوم نو مسلم اور جاہلیت سے قریب العہد ہے (کہیں اس تخریب و تعمیر جدید سے حضور ﷺ پر یہ الزام نہ لگائیں کہ کیسے پیغمبر ہیں جنہوں نے پہلے کعبہ پر ہی ہاتھ صاف کیا اور اس سے سوء اعتقاد پیدا ہو جائے جو آیندہ ہر ایک تبلیغ اور تسلیم و قبول سے قوم کی محرومی کا باعث ہو آپ نے یہ نئی تعمیر ملتوی فرمادی)۔

(4) مخاطبین سے نرمی کرنا

بعض مخاطب زبان دراز، گستاخ، ناعاقبت اندیش، جاہل اور شرارت پسند ہوتے ہیں۔ کبھی وہ حق کا جواب تلخ کلامی کے ساتھ اور کبھی ایذا رسانی کے ساتھ دیتے ہیں یعنی زبانی یا جسمانی تکلیف دیتے ہیں اس نوع کے مخاطبین کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

> ''لَتُبْلَوُنَّ فِي أَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا أَذًى كَثِيرًا وَإِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ ذَلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ''(12)
>
> (تم ضرور اپنے جانو اور مالوں کے معاملے میں آزمائے جاوگے اور تم ضرور اہل کتاب اور مشرکوں سے بہت سی تکلیف دہ باتیں سنوگے اور اگر (ان حالات میں) تم نے صبر کیا اور تقویٰ اختیار کیا تو بے شک یہ بڑے حوصلے کا کام ہے۔)

اس آیت کریمہ میں وقوع واقعات سے پہلے بتایا گیا ہے کہ مسلمانوں کو دعوتِ اسلام کے میدان میں ضرور آزمایا جائے گا چنانچہ قولی ایذا رسانیوں میں سے رسول اللہ ﷺ کو ساحر، مجنون اور کذاب(13)(العیاذ باللہ) سب ہی کچھ کہا گیا لیکن آپ ﷺ نے نرمی اور صبر و تحمل سے کام لیتے ہوئے دعوت کا کام ترک نہیں فرمایا۔اسی طرح عملی ایذا رسانیوں میں آپ ﷺ کے راستے میں کانٹے بچھانا، جادو کرنا، طائف میں پتھر مارنا، گھر سے بے گھر کرنا اور آپ ﷺ کا بائیکاٹ کرنا وغیرہ شامل تھے لیکن قولی و عملی ایذا رسانیوں کے باوجود آپ ﷺ برابر ان کو نرمی سے سمجھاتے رہے۔نرمی ایک ایسا مؤثر عمل ہے جس سے مخاطب کے دل میں خود بخود داعی کی محبت اور تعلق پیدا ہو جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:''وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ''(14)"اگر آپ سخت زبان اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ آپ کے پاس سے بھاگ جاتے"۔یہی حکم اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو فرعون کی طرف بھیجنے کے وقت دیا تھا۔(15)مخاطب کے ساتھ نرمی میں یہ بات

بھی داخل ہے کہ انہیں خوشخبریاں اور ان کے کاموں میں سہولت پیدا کریں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو ایک موقع پر فرمایا:

" یسرا ولا تعسرا، وبشرا ولا تنفرا، وتطاوعا ولا تختلفا"(16)

(خوشخبریاں سنانا، نفرت مت دلانا، آسانی کرنا، سختی مت کرنا، باہم متفق رہنا اور اختلاف نہ رکھنا۔)

(5) مخاطبین کی تدریجی تربیت

مخاطب داعی کے پروگرام سے ابتداء میں غیر مانوس ہوتا ہے نیز وہ ذہناً اور عملاً تمام پروگرام کا تحمل نہیں کر سکتا تو ان میں استعداد پیدا کرنے کے لئے پروگرام کے حصے اور اجزاء الگ الگ کر کے مخاطب کو پیش کرنے چاہییں جس سے ابتداء میں مانوسیت شروع ہو جاتی ہے پھر رفتہ رفتہ استعدا بڑھ جاتی ہے۔ حضور ﷺ نے جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا تو انہیں ترتیب طبعی کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

"ادعهم إلى شهادة أن لا إله إلا الله، وأني رسول الله فإن هم أطاعوا لذلك فأعلمهم أن الله قد افترض عليهم خمس صلوات في كل يوم وليلة فإن هم أطاعوا لذلك فأعلمهم أن الله افترض عليهم صدقة في أموالهم تؤخذ من أغنيائهم وترد على فقرائهم"(17)

(انہیں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور رسالت کی دعوت دو اگر (اس حصہ کو قبول کر لیں) اطاعت اختیار کریں تو انہیں سمجھادو کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر دن رات میں پانچ مرتبہ نماز فرض کی ہے اگر (وہ اس حصے کو قبول کر لیں) تو انہیں سمجھادو کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے اموال میں زکوٰۃ فرض کی ہے جو امیروں سے لے کر غریبوں پر لوٹائی جائے گا۔)

رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں بعض لوگ دین قبول کرنے میں آپ ﷺ سے شرط لگاتے کہ ہم نماز صرف دو وقت کی ادا کریں گے۔ آپ ﷺ نے یہ شرط قبول فرمالی اور انہوں نے اسلام قبول کیا۔ یہاں یہ مطلب نہیں کہ تین وقت کی نماز فرض نہ تھی یا اس کا چھوڑنا معصیت نہ تھا بلکہ اس لئے کہ اگر اس وقت اس کی شرط کو نہ مانا جاتا تو وہ سرے سے اسلام ہی قبول نہ کرتے اور ظاہر ہے کہ اسلام سے محروم رہنا زیادہ مضر تھا بہ نسبت نماز نہ پڑھنے کے، ساتھ ہی یہ معاملہ اس لئے زیادہ مضر نہ تھا کہ آپ ﷺ کو یقین تھا کہ اس وقت یہ شرط انہوں نے محض تکاسل اور تساہل سے لگائی جب یہ دو وقت کی نماز کے عادی ہو جائیں گے تو یہی دو نمازیں بقیہ تین نمازیں بھی ان سے پڑھوادیں گی چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آخر کار وہ پانچ نمازوں کے عادی بن گئے۔ اس سے واضح ہو گیا کہ دعوت کے عمل میں مخاطبین کی تدریجی اصلاح کرنی چاہئے تا کہ آہستہ آہستہ وہ ان امور کے عادی بن جائیں۔

(5.1) مخاطبین کے ساتھ دوام معیت

مخاطبین کی تدریجی اصلاح کے ضمن میں یہ بات پیش نظر رہے کہ مخاطبوں کے ساتھ طویل زمانے تک وابستہ رہنا چاہئے تاکہ تبلیغ وتربیت کا کوئی خاص رنگ ان میں قائم ہو جائے جسے شرعی اصطلاح میں صحبت ومعیت کہتے ہیں۔ چنانچہ دینی رنگ کی اساس یہی صحبت ومعیت ہے جو مخاطب کو حد کمال تک پہنچاتا ہے۔ اسی صحبت کے حصول کے بعد انبیاء کرام کے ساتھیوں کو ''اصحاب'' یا ''صحابہ'' اور ''حواری'' کہا گیا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے زیر تربیت مخاطبین کو ساتھ رہنے کی تاکید فرمائی ہے چنانچہ ارشاد ہے:

''وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ''(18)

(آپ اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ رکھیے جو صبح وشام اپنے رب کو بلاتے ہیں اور اس کا ارادہ کرتے ہیں۔)

(5.2) مخاطبین کے مسائل کا تجزیہ

مخاطب کی تدریجی اصلاح کے سلسلے میں طویل معیت ہی میں مخاطبین کے مسائل بھی سامنے آجاتے ہیں، ان مسائل کا تجزیہ کرنا یعنی ایک ہی مسئلہ کو تحلیل کر کے اس کے چند حصے کر لئے جائیں اور ایک ایک حصہ کی تبلیغ حسبِ استعداد بتدریج کیا جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جب اہل عرب کو شراب سے روکنا چاہا جو اُن کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی تو ایک لمحہ میں شراب کو حرام کو نہیں فرمایا بلکہ بتدریج پہلے حکم میں شراب کی کچھ برائی بیان کی گئی اور وہ بھی لوگوں کے سامنے سوال کے اسلوب میں، ارشاد ہے:

''يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا''(19)

(اے پیغمبر ﷺ!) لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں سوال کرتے ہیں، آپ فرمادیجئے کہ ان میں بڑی برائی ہے اور نفع بھی ہے، مگر اس کی برائی اس کے نفع سے زیادہ ہے۔)

جب ان لوگوں میں شراب کو برا سمجھنے میں کچھ استعداد پیدا ہوئی تو ایک قدم آگے بڑھ کر نماز کے اوقات میں شراب سے روکا گیا۔ ارشاد الٰہی ہے:

''يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَى حَتَّى تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ''(20)

(اے ایمان والو! جب تم نشہ کی حالت میں ہو تو ایمان کے قریب نہ جاؤ یہاں تک کہ تم اسے جانو جسے تم کہہ دیتے ہو۔)

اور جب اس دوسرے حکم سے وہ عملاً شراب سے رکنے پر قادر ہونے لگے تو پھر دوسرا قدم اور آگے بڑھ کر صراحت کے ساتھ شراب کی حرمت اور اس کی نجاست کا حکم ان الفاظ میں دیا گیا:

''يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ

الشَّيْطَانِ"[21]

(اے ایمان والوں بے شک شراب، جوا، بت اور پانسے سب گندے شیطانی کام ہیں۔)

اس کے بعد دلوں میں سے شراب کی محبت جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لیے ان کے برتنوں کا استعمال بھی ممنوع فرما دیا گیا جو شراب کے لیے جام و سبو کا حکم رکھتے تھے۔[22] اسی طرح عرب معاشرے میں دستور یہ تھا کہ کسی یتیم بچے کو لے کر اس کی تربیت اور پرورش کرتے تھے جس کو وہ متبنیٰ (Adopted Son) کہتے تھے۔ پھر لے پالک کو اپنے بچوں جیسے تمام حقوق دیتے تھے اور اس کی بیوی کو اپنی بہو (حقیقی بہو کی طرح) سمجھ کر نکاح بھی معیوب سمجھتے تھے۔[23] اللہ تعالیٰ نے عرب کے اس دستور پر سورۃ احزاب میں رد فرمایا:

"وَمَا جَعَلَ أَدْعِيَاءَكُمْ أَبْنَاءَكُمْ ذَلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِأَفْوَاهِكُمْ"[24]

(اور نہیں قرار دیا تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا حقیقی بیٹا یہ باتیں محض تمہارا قول ہے۔)

اس آیت کریمہ میں صرف یہ واضح کیا گیا کہ یہ دستور تمہاری اپنا خود ساختہ ہے اللہ تعالیٰ کا قانون نہیں۔ جب معاشرے میں اس حوالے سے بات تھوڑی سی ذہن نشین ہو گئی تو ایک قدم اور آگے بڑھ کر اللہ تعالیٰ نے اسی سورۃ میں حضرت زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ کے نکاح کا تفصیلی واقعہ بیان فرمایا جس میں بھی اس دستور پر رد ہے بلکہ حضور ﷺ کا نکاح عملی طور پر بعد طلاق کے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے کرا کر واضح کیا کہ تمہارا دستور کچھ حیثیت نہیں رکھتا بلکہ اللہ کا قانون ہی بلند و بالا ہوگا۔ اس واقعے کے بعد عرب میں یہ دستور تقریباً ختم ہو گیا لیکن آخری درجہ میں اللہ تعالیٰ نے پھر اس پر رد کر کے فرمایا:

"مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا"[25]

(نہیں ہے محمد (ﷺ) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ بلکہ وہ اللہ کے رسول ہیں اور سلسلہ نبوت کی تکمیل کرنے والے ہیں اور اللہ ہر چیز پر پوری طرح باخبر ہے۔)

اس سے واضح ہوتا ہے کہ اگر مخاطب میں کوئی برائی قدیم سے رچی ہوئی ہو تو اسکے استیصال کی صورت یہ ہے کہ ایک برائی کے چند الگ الگ اجزاء نکال کر تدریجی ممانعت کی جائے کہ ایسی صورت میں تدریج ایک فطری روش ہے جو مخاطب کو آہستہ آہستہ مسئلہ کی آخری حد تک کھینچ کر لا سکتی ہے۔

(6) مخاطبین سے عوض (بدلے) کی امید نہ رکھنا

مخاطب کے سامنے دعوت اس انداز میں پیش کرنا چاہئے کہ مخاطب سے مال و زر اور دوسری کسی بھی دنیاوی لالچ کی امید نہیں رکھنی چاہئے کیونکہ اگر کوئی دنیاوی غرض یا لالچ پیش نظر رہا تو پھر دعوت غیر مؤثر رہے گی۔ دوسرے یہ کہ جب مخاطبین سے کسی چیز کا طمع پیدا ہو گیا تو داعی مخاطب کا محتاج بن جاتا ہے اور محتاج انسان کمزور ہوتا ہے جب معلم کمزور اور زیر دست

ہو اور متعلم قوی اور حاوی تو پھر معلم اور داعی مخاطب میں اپنا اثر کس طرح قائم کر سکتا ہے؟ اس لیے مخاطبین سے کسی بھی عوض کی امید نہ رکھنا تمام انبیاء کرام (علیہم السلام) کی مبارک سنت ہے۔ قرآن کریم نے سب کا ایک قول نقل کیا ہے:

"وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ"[26]

(میں اس کام پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا، میرا اجر تو اللہ رب العالمین کے ذمہ ہے۔)

(ب) سماعتِ دعوت کے لحاظ سے متنوع مخاطبین

سماع دعوت کے لحاظ سے استقرائی طور پر مخاطبین کے چار اقسام بنتے ہیں؛ جن کی تفصیل یوں ہے:

۱۔ داعی جب مخاطب کے مذکورہ حقوق کا درست طریقے سے خیال رکھے تو مخاطب ضرور اس کی بات کو توجہ سے ساتھ سنے گا جب مخاطب میں توجہ ہو گی تو قبول حق کا غالب گمان ہوتا ہے۔ یہ بات ضرور ملحوظ خاطر رکھنا چاہئے کہ مخاطبین داعی سے استفادہ کے لحاظ سے سارے برابر نہیں، بعض مخاطبین قبول حق سرعت کے ساتھ بعض انتہائی سست روئی کے ساتھ اور بعض مخاطبین اس کے درمیانی حد میں جبکہ بعض لوگ سرے سے قبول نہیں کرتے ہیں۔ اول الذکر جو بغیر کسی قسم کی تردّد اور نکتہ چینی فوراً داعی کی دعوت و نصیحت کو قبول کرتے ہیں ان کی مثال ساحروں کا حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانا[27] اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا آپ ﷺ پر ایمان لانا ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

"ما دعوت أحداً إلى الإسلام إلا كانت له عنه كبوة وتردد ونظر إلا أبا بكر ما عتم حين ذكرته له، وما تردد فيه"[28]

[میں نے جب کسی کو دعوت دی تو اس نے ضرور کوئی نہ کوئی تردد، اشکال اور توقف کیا ہے سوائے ابو بکر کے جب میں نے انہیں دعوت دی تو انہوں نے کوئی (ادنٰی سا) تردّد تک نہیں کیا (بلکہ فوراً قبول کی)۔]

ثانی الذکر کی مثال حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ اور ان کے چند ساتھی جنہوں نے آپ ﷺ سے بیس سال کی عداوت اور لڑائیوں اور فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کیا۔ اسی طرح درمیان حدود میں اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم تھے۔

۲۔ دوسری قسم کے وہ مخاطبین ہیں جو دعوتی پروگرام کو بے توجہی سے سنتے ہیں یا اس سے اعراض برتتے ہیں۔ یہ عام طور پر قلب کا لہو و لعب اور لاابالی پن، قلت فکر، قلبی اعراض، زبان کا غلط استعمال، کثرت سوالات، فضول استفسارات وغیرہ کا نتیجہ ہوتا ہے۔ ارشاد ہے:

"وَلَوْ أَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَهُمْ مُعْرِضُونَ"[29]

(اور اگر وہ ان کو سنائیں گے تب بھی وہ پشت پھیر کر چلے جائیں گے اس حال میں کہ وہ اعراض کرنے والے ہوں گے۔)

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ''(30)

(اور بعض لوگ وہ ہیں جو لغو اور فضول باتیں خریدتے ہیں تاکہ اللہ کے راستے سے بغیر علم کے گمراہ کردیں۔)

۳۔ تیسری قسم کے وہ مخاطبین ہیں جو دعوتی پروگرام کے وقت معاندانہ طور پر شور و شغب کرتے ہیں تاکہ خود بھی کلام الٰہی نہ سننے اور دوسروں کو نہیں سننے دیتے۔ اس کے بارے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا لِهَذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُونَ''(31)

(اور کافروں نے کہا کہ اس قرآن کو مت سنو اور شور مچاؤ تاکہ تم غالب آجاؤ۔)

۴۔ چوتھے قسم کے وہ مخاطبین ہیں جو حق بات کا تمسخر اڑاتے ہیں۔ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا''(32) "اور اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو تمسخر و استہزاء بناتے ہیں"۔

(ج) مخاطبین کے اقسام اسلوبِ قرآنی کی روشنی میں

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ۔''(33)

(اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ دعوت دو اور لوگوں سے ایسے طریقے سے مباحثہ کرو جو بہترین ہو، بے شک تیرا رب ہی خوب جانتا ہے اس کو جو اس کے راستے سے بھٹک گیا اور وہ ہی ہدایت یافتوں کو بہتر جانتے ہیں۔)

یہاں اللہ تعالیٰ نے دعوت اور اس کے طریقہ کار کے ضمن میں تین اقسام و اصناف مخاطبوں کے متفاوت حالات کے معیارات سے بیان فرمائے ہیں تو اسی سے مدعوین کے اصناف بھی پیدا ہو جاتی ہیں کیونکہ جب دعوتی میدان میں حصر کے ساتھ حجت کی تین نوعیتیں لاکر منتخب کی گئیں تو اس سے صاف واضح ہے کہ مدعو بھی دنیا میں تین قسم کے ہو سکتے ہیں تاکہ ہر ایک نوع کے مناسب حجت پیش کی جاسکے۔

ا۔ حجت پسند (اذکیاء)

ایک وہ کامل الاستعداد طبقہ ہے جن کے قلوب روشن ہوں۔ علم کی صادق طلب اور معرفت حق کی سچی تڑپ ان میں کامل موجود ہو اور وہ ہر مدعا میں صرف ایسی پختہ دلیلوں اور حجتوں کے طلبگار رہے ہوں جو یقینی ہو اور دلوں میں نور یقین پیدا کرسکیں۔ ایسے افراد کے ساتھ دلائل قطعیہ ہی کے ساتھ خطاب کیا جاتا ہے جس کا دوسرا نام قرآن کی زبان میں حکمت ہے جو آیت مذکورہ میں "ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ" کے الفاظ سے ذکر ہے۔ اس نوع کے افراد کو بعنوان اذکیاء کے علاوہ اگر حجت پسند کہا جائے تو قرآنی اسلوب سے قریب تر ہوگا۔(34)

حجت پسندوں کا مصداق دانش ور اہل علم ہیں۔ یہ طبقہ ہر بات کو مدلل انداز میں خود بھی کرتے ہیں اور دوسروں سے بھی حجت اور دلیل کا مطالبہ کرتے ہیں۔اس طبقہ کے سامنے دعوتی پروگرام پیش کرنا ماہرین اور دانش وروں کا کام ہے جس کی اسے تربیت دی گئی ہو اور وہ اس خاص مقصد کے لیے ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ قبول اسلام کے وقت رسول اللہ ﷺ کے ہاں تشریف لائے اور درخواست کی کہ میں اسلام لانے کی بیعت کرتا ہوں۔"فقلت ابسط يمينك فلأبايعك فبسط يمينه قال فقبضت يدي قال ما لك يا عمرو؟ قال قلت أردت أن أشترط قال تشترط بماذا؟ قلت أن يغفر لي قال «أما علمت أن الإسلام يهدم ما كان قبله؟"[35] رسول اللہ ﷺ نے ہاتھ پھیلایا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہاتھ کھینچا۔آپ ﷺ نے فرمایا عمر کیوں؟ فرمایا: میرے چند شرائط(اشکالات اور شبہات)ہیں۔آپ نے فرمایا: کون سی شرائط ہیں؟فرمایا کہ میری بخشش ہو جائے۔آپ ﷺ نے فرمایا اسلام کی وجہ سے انسان کے سارے پچھلے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ کے اہل علم میں شمار ہوتے تھے لہٰذا انہوں نے قبول اسلام کے وقت اپنے شبہات پیش کرکے اس کا مدلل انداز میں حل طلب کرنا چاہا جو آپ ﷺ نے فراہم کیا۔

۲۔ منازعت پسند (اغبیاء)

اس کے برعکس وہ کج فہم طبقہ ہے جن کی طبیعتوں میں سلامتی اور ذوق تحقیق کے بجائے بحث و نزاع، کج بحثی اور کٹ حجتی کے جراثیم بھرے ہوئے ہوں ان کے نزدیک سب سے بڑا کمال صرف بولتے رہنا اور خاموش نہ رہنا ہے۔ان کی بدمذاقی کسی فطری حجت و دلیل کو برداشت کرتی ہے اور نہ انہیں کوئی عقلی استدلال مطمئن کر سکتا ہے اس طبقہ کے لیے محققانہ کلام سودمند نہیں بلکہ نقصان کا باعث ہوتا ہے۔انہیں صرف معارضہ اور الزام جوان کے مسلمات کی رو سے ہو سے مطمئن کرایا جا سکتا ہے اسی رنگ احتجاج کو قرآن نے مجادلہ کہا۔ کج بحثوں کے حق میں حکمت کا کلمہ مفید نہیں ہو سکتا بلکہ صرف مجادلہ ہی کارگر ہے۔اسی کا نام قرآن کے اسلوب میں مجادلہ ہے جس کو لفظ حسن کے ساتھ ذکر کرکے اس طرف اشارہ مقصود ہے کہ دعوت کا یہ مرحلہ تھوڑا نازک ہے لہذا مخاطب کی دلجوئی کے لئے داعی کے ذمہ لازمی ہے کہ وہ مجادلہ بہتر اور دانشمندی کے ساتھ کرے نیز یہ بھی ثابت ہو گیا کہ مخاطبین کا ایک طبقہ ضرور ایسا ہو گا جو مجادلہ پسند ہو جس کے سامنے حکمت کے بجائے مجادلہ سے کام لینا چاہئے۔اس کو ہم منازعت پسند طبقہ بھی کہتے ہیں۔[36] مخاطبین میں منازعت پسند طبقہ کا مصداق بالذات اشرافیہ ہوتا ہے جس کو قرآن کی اصطلاح میں "ملاء" سے تعبیر کیا گیا ہے۔اس کو ہم بااثر مخاطبین بھی کہہ سکتے ہیں۔ذیل میں اس کی وضاحت پیش کی جاتی ہے۔

بااثر مخاطبین

انسانی طبائع شوکت پسند ہوتی ہیں اس لیے دعوتی پروگرام کو مؤثر بنانے کے لیے اس کی پشت پر قوت و شوکت بھی کھڑی کرنی چاہئے تاکہ شوکت پسند طبیعتیں دعوتی پروگرام کی طرف جھکنے سے دریغ نہ کریں۔ جس کی ایک صورت یہ ہے کہ دعوتی سرگرمی شروع کرنے سے پہلے بااثر افراد کی سرپرستی لازمی ہیں تاکہ پُر شوکت انداز میں دعوتی پروگرام کا حلقہ وسیع

ہو جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی: "اللهم أعز الإسلام بأحب هذين الرجلين إليك بأبي جهل أو بعمر بن الخطاب"[37] الٰہی عمر بن خطاب یا عمرو بن ہشام (ابو جہل) دونوں میں سے جو تجھے محبوب ہو ان کے ذریعے اسلام کو عزت دے۔ اس دعاء کی غرض ہی یہ تھی کہ اسلام میں کسمپرسی کے بجائے شوکت کے اثار نمایاں ہو جائیں تاکہ شوکت پرست طبیعتیں بھی جھکنے لگیں یا کمزوروں کو شوکت کی پشت پناہی کا یقین ہو کر اپنی کسمپرسی کا خطرہ نہ رہے نیز دعوتی پروگرام کی راہ میں فتنے اور موانع بھی دفع ہو جائیں گے جس طرح حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کے بعد اسلام میں شوکت و قوت کے آثار پیدا ہو گئے۔

قرآن کریم کے اصطلاح میں اس خاص طبقہ کو ملاء کہتے ہیں۔ ملاء کو ہم موجودہ زمانے کے اصطلاح کے مطابق اشرافیہ کہتے ہیں۔ ملاء کی دین اسلام کے حوالے سے عمومی مزاج یہ ہے کہ وہ ضد، ہٹ دھرمی اور معاندانہ رویہ رکھتے ہیں۔ وہ منازعت پسند ہوتے ہیں۔ اس عمومی مزاج کے کئی اسباب ہیں مثلاً تکبر، ریاست اور حکومت کے ساتھ محبت و دلچسپی، کم فہمی و نادانی وغیرہ۔ اشرافیہ ہر معاشرہ میں موجود ہوتے ہیں۔ اس قسم کے مخاطبین اپنی تکبر، حب جاہ و مال اور نادانی کی وجہ سے دعوتی پروگرام کی مخالفت کرتے ہوئے ان کو جھٹلاتے ہیں اور ان کا راستہ روکنے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں۔ لہذا حکمت کا تقاضہ یہ ہے کہ دعوتی پروگرام شروع کرنے سے پہلے اشرافیہ کو اعتماد میں لینا ضروری ہے تاکہ ان کی پشت پناہی سے دعوتی سرگرمی جاری رہے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کی دعاء اس وجہ سے فرمایا کہ معاشرہ میں بہت سے لوگ ایسے بھی تھے جو اسلام لانے کے خواہاں تھے مگر مسلمانوں کی بے کسی اور غربت دیکھ کر اپنے مستقبل سے ڈرتے تھے، بے دھڑک اسلام میں داخل ہونے لگے۔ اشرافیہ کو ان کی معاشرتی مقام دعوت میں ملحوظ رکھنا چاہئے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے روم، مصر اور فارس کے ملاء کو خط لکھتے ہوئے ان کی معاشرتی مقام و مرتبہ کا لحاظ خط کے ابتداء میں فرماتے۔ رئیس روم کو "عظیم الروم"[38] سے خطاب فرمایا جو ان کی معاشرتی اور ریاستی حیثیت (Status) تھی۔

۳۔ سلامتی پسند (صلحاء)

مذکورہ دونوں طبقوں کے درمیان ایک درمیانی طبقہ ہے جو نہ تو کمال فہم اور سلامتی ذوق میں حکماء اور عقلاء کی حد تک پہنچا ہوا ہے جن کی تسلی کے لئے دلائل قطعیہ درکار ہوں اور نہ ہی بد ذوقی میں اس کا حال منازعت پسندوں جیسا ہے جنہیں خاموش کرانے کے لئے الزامی حجت اور مجادلہ کی نوبت آئے بلکہ ایک درمیانی حد میں سادہ فطرت اور سلامت روی پر ہو، جس کی تفہیم کے لئے واعظانہ خطابیات، اقناعی دلائل، سادہ مثالیں، عام فہم لطائف، عبرت انگیز حکایات ہی کافی ہیں۔ اسلوب قرآن کے مطابق اس طبقہ کے لئے موعظہ حسنہ کے طرز خطابت کو اختیار کرنے کا حکم فرمایا ہے۔[39]

مخاطبین میں سلامتی پسند طبقہ کے مصداق جمہور عوام ہیں۔ ان میں ضعفاء و بے کس اور فقراء و محتاج ہوتے ہیں۔ یہ لوگ ملاء کی طرح حب جاہ و مال اور حب ریاست میں مبتلاء نہیں ہوتے بایں وجہ وہ بہ نسبت دوسروں کے کسی بھی داعی کا اثر جلد

قبول کرتے ہیں۔ ہر قل نے ابوسفیان سے رسول اللہ ﷺ کے دعوتی پروگرام کے حوالے سے ایک مکالمہ کیا ہے جس میں اس طبقے کے متعلق سوال کیا تھا کہ :"فأشراف الناس يتبعونه أم ضعفاؤهم؟ قلت: بل ضعفاؤهم، قال: فيزيدون أو ينقصون؟ قلت: بل يزيدون"[(40)] ان کی دعوت قبول کرنے والے اشرافیہ ہیں یا کمزور لوگ؟ابوسفیان بولا: کمزور لوگ۔ فرمایاوہ کمزور لوگ کم ہورہے ہیں یا زیادہ؟ میں نے کہا کہ (روز بروز) زیادہ ہورہے ہیں۔"

اس طبقہ کی دوسری خاصیت یہ ہے کہ جب یہ لوگ ایک مرتبہ کسی بات کو قبول کرتے ہیں تو پھر اسی پر ڈٹ جاتے ہیں اسی مکالمہ کے ذیل میں ہر قل نے یہ سوال بھی اُٹھایا کہ وہ لوگ دعوتی پروگرام میں داخل ہونے کے بعد کیا کبھی اس سے پھرے ہیں؟ابوسفیان نے کہا: نہیں۔[(41)] انبیاء کرام علیہم السلام سے 'ملاء' ہمیشہ یہ مطالبہ کرتے تھے کہ تمہارے ساتھ کمزور لوگوں کی موجودگی میں ہم کس طرح بیٹھ سکتے ہیں یہ لوگ اپنے حلقے سے ہٹادو ہم آپ کی بات کو سنیں گے۔[(42)]

یہاں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ جمہور عوام جس طرح انبیاء کرام علیہم السلام سے جلد متاثر ہوکر دعوتی پروگرام قبول کرتے ہیں بعینہ وہ 'ملاء' سے بھی متاثر ہوکر ان سے پیچھے بھی چلتے ہیں، جس کے کئی اسباب اور وجوہات ہیں جیسا کہ مال ودولت کی لالچ دینا، جمہور کا ملاء سے ڈر اور خوف، عوام کو شبہات میں مبتلاء کرنا وغیرہ۔

مذکورہ بالا اصولوں کی روشنی میں متنوع مخاطبین کے لئے حسب ذیل دعوتی پروگرام ہونا چاہیے۔

1. موجودہ دور میں انفرادیت کا عنصر ختم ہوکر اجتماعیت کا عنصر غالب ہوتا چلا جارہاہے ہر کام اجتماعی رنگ میں ہونے سے مؤثر ہو جاتاہے۔ لہٰذا اسلام کی اشاعت اور فروغ کے روایتی طریقے سے ہٹ کر جدید طرق پر غور کرنا ہوگا۔
2. مختلف مراکز میں اہل علم و دانش کی موجودگی میں اہل افراد کی دعوتی تربیت کے پروگرام کا انعقاد کرنا چاہئے۔ یہ تربیتی پراگرام قلیل المدت اور مخصوص مخاطبین کے حوالے سے ہونے چاہئیں۔
3. اس دعوت پروگرام کے مدعو غیر مسلم بھی ہونے چاہئیں جن کے سامنے دین کی دعوت پیش کی جائے۔ مسلمانوں کی اصلاح کے لیے دوسری جماعتیں ہوں جن کا نصب العین مسلمانوں کی اصلاح اور تربیت ہو۔
4. عمل دعوت میں بااثر افراد اور شخصیتیں شامل کرنے کی پوری کوشش کی جائے جو اپنے منصب یا معاشرتی حیثیت کے لحاظ دلوں میں باعظمت ہوں کہ اس سے تبلیغ کے اثرات جلد سے جلد نمایاں ہوں گے، مؤثر اور پائیدار ہوں گے اور ساتھ ہی ان میں وسعت اور ہمہ گیری پیدا ہوجائے گی۔
5. جس مقام پر مبلغین کی جماعت کام کرنا چاہئے، آغاز دعوت سے پہلے اس کی سعی ہونی چاہئے کہ وہ اولاً مقامی بااثر اور سر برآوردہ افراد سے مل کر ان کو اپنا ہم خیال بنائے اور پھر انہیں کے زیر سایہ دعوت کے کام کا آغاز کیا جائے۔ مناسب ہوگا کہ اگر مقامی حکومت(Local Government) سے این او سی بھی حاصل کیا جائے۔

6. جو مخاطبین کلمہ حق قبول کرلیں مرکز سے ان کے لئے ابتدائی بنیادی تعلیم کا بندوسبست ہونا چاہئے۔ جس کا خاص نصاب ہو۔اس کے بعد جو علوم میں مہارت پیدا کرنا انہیں مرکزی مدارس یا یونیورسٹیوں میں بھیجا جائے اور پھر اس ماحول اور علم کی روشنی میں بتدریج ان کی اصلاح کی جائے۔

7. دعوتی پروگرام میں جو بھی کام ہو مبلغین اس کی یاداشتیں تاریخ وار مرتب کر کے مرکز میں بھیجتے رہیں تاکہ ضرورت پیش آنے پر ان سے کام لیا جاسکے۔اور یہ عمل دوسرے مبلغین کے لئے باعث تقویت ہوگا۔

حواشی وحوالہ جات

1- سورۃ الرعد:۷

2- سورۃ الاعراف:۱۵۸

3- زیدان، ڈاکٹر عبدالکریم، اصول الدعوۃ، بیروت: مطبعۃ مؤسسۃ الرسالۃ، ۱۴۲۱ھ، ج۱، ص۳۷۳

4- سورۃ سبا:۲۸

5- الدمشقی، ابوالفداء اسماعیل بن عمرو، تفسیر القرآن العظیم، بیروت: دارالطیبہ للنشر والتوزیع، ۱۹۹۹ء، ج۶، ص۵۱۸

6- سورۃ البقرۃ:۲۱

7- سورۃ الشعراء:۲۱۴

8- الحمیری، ابو محمد عبدالملک بن ہشام بن ایوب بن المعافری، السیرۃ النبویہ، بیروت: دارالجیل ۱۴۱۱ھ، ج۲، ص۲۷۰

9- الحلبی، علی بن برہان الدین، السیرۃ الحلبیہ فی سیرۃ الامین المامون، بیروت: دارالمعرفہ ۱۴۰۰ھ، ج۲، ص۱۷۱

10- العراقی، ابوالفضل زین الدین بن ابراہیم، المغنی عن حمل اسفار فی السفار، بیروت: دار ابن حزم ۲۰۰۵ء، ج۱، ص۷۰

11- البخاریؒ، محمد بن اسماعیل، الصحیح البخاری، بیروت: دارالکتب العلمیہ ۱۴۰۹ھ، رقم:۱۵۸۶

12- سورۃ آل عمران:۱۸۶

13- سورۃ ص:۴

14- سورۃ آل عمران:۱۴۹

15- سورۃ طہ:۲۰

16- البخاریؒ، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، کتاب الجہاد والسیر، رقم:۳۰۳۸

17۔ البخاریؒ، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، کتاب الزکوۃ، باب وجوب الزکوۃ، رقم: ۱۳۹۵

18۔ سورۃ الکہف: ۲۸

19۔ سورۃ البقرۃ: ۲۱۹

20۔ سورۃ النساء: ۴۳

21۔ سورۃ المائدہ: ۹۰

22۔ البخاریؒ، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب اداء الخمس من الایمان، رقم: ۵۳

23۔ ابوعبداللہ محمد بن احمد شمس الدین القرطبیؒ، الجامع لاحکام القرآن، قاہرہ: دار الکتب المصریہ، ۱۹۶۴ء، ج ۱۴، ص ۱۱۸

24۔ سورۃ احزاب: ۴

25۔ سورۃ احزاب: ۴۱

26۔ سورۃ الشعراء: ۱۰۹

27۔ سورۃ الشعراء: ۴۶

28۔ المطلبیؒ، محمد بن اسحاق بن یسار، السیرۃ النبویہ، بیروت: دار الفکر ۱۳۹۸ھ، اسلام ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ، ج ۱، ص ۱۳۹

29۔ سورۃ الانفال: ۲۳

30۔ سورۃ لقمان: ۶

31۔ سورۃ فصلت: ۲۶

32۔ سورۃ لقمان: ۶

33۔ سورۃ النحل: ۱۲۵

34۔ ابو العباس تقی الدین احمد بن حلیم تیمیہ الحرانی، مجموعۃ الفتاویٰ، مدینہ منورہ: مجمع الملک فہد لطباعۃ المصحف الشریف، ۱۹۹۵ء، فصل: قاعدۃ فی اصل الاثبات والنفی والحب والبغض، ج ۲، ص ۴۵

35۔ ابو الحسن مسلم بن حجاج القشیریؒ، صحیح مسلم، بیروت: دار احیاء التراث العربی، ۲۰۰۰ء، کتاب الایمان، رقم: ۱۲۱

36۔ سورۃ النحل: ۱۲۵

37۔ الترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ الثورۃ الترمذی، سنن، مصر: مصطفیٰ البانی الحلبی ۱۹۷۵ء، باب فی مناقب عمر بن خطاب، رقم: ۳۶۸۱

38۔ البخاریؒ، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، باب، کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ ﷺ، رقم: ۷

39۔ سورۃ النحل: ۱۲۵

40۔ البخاریؒ، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، کتاب الجہاد والسیر، رقم: ۲۹۴۰

41۔ ایضاً

42۔ سورۃ ہود: ۲۷